فہرست مضامین

حرف آغاز

دعوت دین کے اصول و آداب | سید جلال الدین عمری | 5

تحقیق و تنقید

صوفیانہ تفسیری رجحان کا ارتقائ | حافظ محمد احسن رضا | ۱۵

اسلامی ریاست میں ادارۂ احتساب | مولانا محمد جرجیس کریمی | ۲۵

امیر خسرو کی تصنیف 'خزائن الفتوح' | ڈاکٹر محمد امین عامر | ۴۱

بحث و نظر

اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ۔ اسلام کا نقطۂ نظر | مولانا محمد قمر الزماں ندوی | ۴۹

معاشی فلاح و بہبود کا اسلامی تصور | ڈاکٹر سعدیہ گلزار | ۷۳

سیر و سوانح

شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کی تفسیر | پروفیسر توقیر عالم فلاحی | ۸۹

تعارف و تبصرہ

محمد ﷺ۔ عصر حاضر کے پیغمبر | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۱۰۳

تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار | ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی | ۱۱۰

زندگی کا خزانہ | ڈاکٹر عبد الرحمن فلاحی | ۱۱۶

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۵۹) | ۱۱۹

مضامین کا انگریزی خلاصہ | ۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ حافظ محمد احسن رضا
ریسرچ اسکالر، شعبۂ علوم اسلامیہ، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)
ahsan.raza62@yahoo.com

۲۔ مولانا محمد جرجیس کریمی
رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ
jarjees.karimi@gmail.com

۳۔ ڈاکٹر محمد امین عامر
۱۰۱۔ پیل خانہ، سیکنڈ لین، ہاوڑہ۔ (۷۱۱۱۰۱) مغربی بنگال

۴۔ مولانا محمد قمر الزماں ندوی
جنرل سکریٹری، مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ
maeducalionalsocie ly@gmail.com

۵۔ ڈاکٹر سعدیہ گلزار
لیکچرر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، لاہور کالج فارویمن یونی ورسٹی، لاہور
sadiagulz ar-icw u@gmail.com

۶۔ پروفیسر توقیر عالم فلاحی
شعبۂ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
towqeer@yahoo.com

۷۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی
mrnadvi@yahoo.com

۸۔ ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی
مدیر ماہ نامہ 'ندائے اعتدال'، مدرسۃ العلوم الاسلامیۃ، جمال پور، علی گڑھ
tariqnadw ialig@yahoo.com

۹۔ سید جلال الدین عمری
صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

دعوتِ دین کے اصول وآداب

ــــــــــــــــ سید جلال الدین عمری

مرکز جماعت اسلامی ہند میں مرکزی شعبۂ دعوت کے زیر اہتمام سکریٹریز حلقہ جات برائے شعبۂ دعوت کا سہ روزہ ورک شاپ ۵ تا ۷ ستمبر ۲۰۱۵ کو منعقد ہوا تھا۔ اس کے اختتامی سیشن میں مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند نے زادِ راہ کے طور پر جو خطاب کیا تھا، اسے افادۂ عام کے لیے، ان کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔

(رضی الاسلام)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وأصحابه اجمعين أمّا بعد:

ذمہ دارانِ مرکز اور مختلف حلقوں کے ذمہ دار حضرات! میں آپ سب اصحاب کا مرکز جماعت میں خیر مقدم کرتا ہوں۔ اس موقع پر دعوت کے سلسلے میں بعض باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ باتیں کسی مجلس میں اس سے پہلے بھی آئی ہوں، لیکن جو باتیں زیادہ اہمیت کی ہوتی ہیں، ان کی طرف بار بار توجہ دلانا اور یاد دہانی کرانا مفید ہوتا ہے۔

دعوت کا میدان وسیع ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی اہمیت ہمیں اسی طرح محسوس کرنی چاہیے جیسے قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، جو اس امت پر ڈالی گئی

ہے۔ امت کا جو طبقہ بھی یہ کام کررہا ہے وہ قابل قدر ہے۔ ہم ان کی مخالفت نہیں کرتے، بلکہ ان کی تائید ہی کرتے ہیں۔

کبھی کبھی ہم سوچتے ہیں کہ ہندستان میں جو مختلف طبقات ہیں ان میں کن کن میں قبولِ حق کی صلاحیت ہے۔ دعوتی مقصد سے یہ ایک اچھی بات ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ہمارا خطاب پورے ملک بلکہ پوری دنیا سے ہے۔ ایسی صورت میں یہ رویہ نہیں اختیار کیا جاسکتا جس سے یہ تاثر قائم ہو کہ جماعت فلاں طبقہ یا فلاں علاقہ ہی کے لوگوں کے درمیان دعوت وتبلیغ کا فرض انجام دے رہی ہے۔ اسلام کا مزاج تو ساری دنیا میں پھیلنے کا ہے۔ آپ کا تجربہ بتا رہا ہوگا کہ نچلے طبقات کے لوگوں نے بھی ہمارا ساتھ دیا ہے اور اونچے طبقات کے لوگوں نے بھی۔ اونچے طبقے کے افراد اسلام ساتھ دیتے ہیں تو اس کے اثرات زیادہ محسوس کیے جاتے ہیں اور وہ سماج کو زیادہ متاثر کرسکتے ہیں۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم جس فرد یا گروہ تک بھی پہنچ سکتے ہیں، پہنچنے کی کوشش کریں اور اسلام کی تعلیم کو حکمت و تدبر کے ساتھ پیش کریں۔ اب یہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ دین کے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہے، کرے۔

دعوت کا میدان بڑا وسیع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا گیا کہ آپ اعلان کردیجیے: یٰٓأَیُّھَا النَّاسُ إِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعاً۔ (الاعراف: ۱۵۸) ”اے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں“۔ امت مسلمہ کے بارے میں کہا گیا: لِتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ۔ (البقرۃ: ۱۴۳) ”تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔“ اس اعلان ہی میں یہ بات شامل ہے کہ لوگ اسے قبول بھی کریں گے اور نہیں بھی کریں گے، لیکن مجموعی طور پر ہمارا رویہ ایسا ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ اللہ کا دین تمام لوگوں کے لیے ہے۔ ہر فرد بشر اس کا مخاطب ہے۔ اللہ کا دین اگر کوئی ایک شخص بھی قبول کرلے تو بعض اوقات سماج کے اندر اس کے ذریعہ بڑی تبدیلی آسکتی ہے، عدل و انصاف قائم ہوسکتا اور ظلم ختم ہوسکتا ہے، حق دار کو اس کا حق مل سکتا ہے۔

اسلام کا ایک مقصد عدل وقسط کا قیام بھی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ دیا تھا، اس میں بہت وضاحت کے ساتھ انہوں نے یہ بات کہی تھی کہ ''تم میں سے جو کم زور ہے، وہ میرے نزدیک طاقت ور ہوگا، جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلادوں۔ اسی طرح تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کم زور ہوگا، جب تک کہ میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں۔''

دعوت کی جامعیت

اللہ تعالی کو ایک ماننا، ایک حقیقت ہے۔ اس کا تعلق انسان کی ذاتی زندگی سے بھی ہے اور اجتماعی زندگی سے بھی۔ اس کا تعلق سیرت و اخلاق سے بھی ہے اور معاملات سے بھی۔ جو اس کو نہیں مانے گا، وہ ایسے ہی نقصان میں رہے گا جیسے بجلی کے کھلے تار پڑے ہوں، بارش کا موسم ہو اور کوئی شخص بتا رہا ہو کہ آگے بڑھو گے تو کرنٹ لگ جائے گا۔ اب جو مانے گا وہ بچ جائے گا اور جو نہیں مانے گا وہ تباہ ہو جائے گا، چاہے وہ امیر ہو یا غریب، اونچی ذات کا ہو یا نچلی ذات کا۔ اس لیے کہ کسی واقعہ کے بعد اس کے ممکنہ نتائج سے نہیں بچا سکتا۔ اس لیے جس شخص سے بھی آپ بات کریں، اسے بتائیں کہ اللہ کے دین کو اختیار کرنے ہی میں تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ دنیا کی فلاح کا مطلب یہ ہے کہ اسے اختیار کرنے سے آدمی صاف ستھری زندگی گزارے گا، جھوٹ کی جگہ سچ بولے گا، امانت و دیانت داری اختیار کرے گا اور اس کی وجہ سے اسے کوئی نقصان بھی ہوگا تو اس کا اجر اسے آخرت میں ملے گا۔

دعوتِ دین پیش کرتے وقت ہمیں توحید کے ساتھ عقیدۂ آخرت پر بطور خاص زور دینے کی ضرورت ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مان رہے تھے یا اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے تھے، ان کے سامنے قرآن مجید نے دلائل سے ثابت کیا کہ آخرت آئے گی، انسان نے اس دنیا میں جو کچھ کیا اس کا حساب ہوگا

اور نیک و بد کا فیصلہ ہوگا، نیکو کار جنت کے مستحق ہوں گے اور بدکردار انسانوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب پرانے زمانے کی باتیں ہیں، انسان کو ڈرانے کے لیے یہ سب عقیدے گھڑ لیے گئے ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حالاں کہ اگر خدا ہے تو آخرت بھی ہے۔ آدمی خدا کو مانے اور آخرت کو نہ مانے، یہ ممکن نہیں ہے۔ ایک شخص خدا اور آخرت دونوں کا انکار کرسکتا ہے، لیکن خدا کو ماننے والا آخرت کا انکار نہیں کرسکتا۔

دنیا سے تعلق

اللہ تعالیٰ کی ذات اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ انسان کے سامنے یہ سوال رہا ہے کہ وہ اس سے کس طرح قریب ہو، بلکہ اس کی ذات میں گم ہو جائے۔ اس کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ اس مادی دنیا سے تعلق ختم کیا جائے اور روحانی زندگی گزاری جائے۔ اس مقصد سے لوگوں نے جنگلوں اور غاروں میں زندگی بسر کی اور بڑی سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ موجودہ دور میں مادیت کا غلبہ ہے۔ اس کے ردعمل میں بھی دنیا سے نفرت اور دوری کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔

اسلام اس تصور کے خلاف ہے، اس نے کہا ہے کہ اللہ کو پانے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ترکِ دنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس سے دنیا اچھے اور نیک لوگوں سے خالی ہو جائے گی اور برے لوگوں کا غلبہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کی راہ یہ ہے کہ آدمی اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے، اپنی ذات کے، اپنے گھر اور خاندان کے اور معاشرے کے حقوق ادا کرے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جتنے پیغمبر آئے، سب نے اسی کی تعلیم دی۔ یہی اللہ سے قربت کا ذریعہ ہے۔

موجودہ دور اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اسلام کی اس فطری تعلیم کو عام کیا جائے۔

ملک کا طبقاتی نظام اور اسلام

آپ جانتے ہیں کہ موجودہ حالات میں یہاں طبقاتی نظام (Cast System) ہے۔مسلمان مختلف طبقات میں بٹے ہوئے ہیں، یہ ایک تکلیف دہ صورت حال ہے، لیکن مسلمانوں سے زیادہ یہاں کے غیر مسلم بھائی مختلف طبقات اور گروہوں میں منقسم ہیں۔ساری سیاست اسی پر چلتی ہے کہ ہماری برادری کے لوگ ہمارے ساتھ ہیں یا نہیں؟ اسی پر سارا زور صرف ہوتا ہے۔ملک کے اندر ذات پات اور اونچ نیچ کا تصور ہے ،اس کی وجہ سے ملک کی ایک بہت بڑی آبادی کو مساوی حقوق (اگرچہ دستوری طور پر حاصل ہیں لیکن) سماجی طور پر حاصل نہیں ہیں ۔اس کی کوئی معقول توجیہ نہیں کی جاسکتی ۔کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل کاموں کی تقسیم تھی ، جسے بعد میں مذہبی رنگ دے دیا گیا ، حالاں کہ کاموں کی تقسیم صلاحیت کے لحاظ سے ہونی چاہیے، نہ کہ ذات کی بنیاد پر ۔کسی کا باپ اگر دھوبی ہے تو وہ بھی دھوبی ہوگا ،اگرچہ وہ کتنا ہی پڑھ لکھ لے ۔ ہندوستان کے طبقاتی نظام پر راقم نے ایک مضمون میں الگ سے بحث کی ہے ۔(ملاحظہ کیجیے: ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۸ء ،ص ۳۷-۴۱) اس طرح کی جو کم زوریاں ہیں وہ انسان کی عزت ووقار کے منافی ہیں، انہیں ختم ہونا چاہیے اور یہ تصور سامنے آنا چاہیے کہ سارے انسان برابر ہیں۔قرآن اور حدیث میں یہی بات بہت وضاحت کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان خاندانوں، قبیلوں اور قوموں کی تقسیم اللہ تعالی کے نزدیک محض تعارف کے لیے ہے۔سورۂ الروم میں کہا گیا ہے کہ انسانوں کے درمیان رنگ، زبان اور نسل کا جو بھی فرق پایا جاتا ہے وہ قدرت کی نشانیاں ہیں ۔اس کی وجہ سے انسانیت تقسیم نہیں ہوتی۔ (الروم: ۲۲) سورۂ حجرات میں کہا گیا ہے کہ سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں(چاہے وہ ہندستان میں ہوں یا ہندستان سے باہر،ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں ، یورپ میں ہوں یا امریکہ میں، چاہے جہاں ہوں،سب انسان

ہیں اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔) ان کے درمیان اگر فرق ہوسکتا ہے تو صرف اس بنیاد پر کہ ان میں سے کون شخص اللہ سے زیادہ ڈر کر زندگی گزارتا ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات:۱۳)

دین میں کوئی زبردستی نہیں

آپ اس ملک کے سامنے، بلکہ ساری دنیا کے سامنے یہ واضح کریں کہ اسلام میں زور زبردستی، جبر اور دباؤ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتارا نہیں جاسکتا، البتہ اس سے منافق پیدا ہوسکتے ہیں جو بہ ظاہر ایمان اور اسلام کا اقرار کریں اور اندر سے اس کی بیخ کنی کرتے رہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اس طرح کے لوگ اس کے دامن میں آئیں گے تو اسلامی معاشرہ کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی شخص یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کی سوسائٹی میں ایسے لوگ آئیں جو اس کو نقصان پہنچائیں۔ قرآن میں بہت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ جب منافقین مسلمانوں کے معاشرے میں آجاتے ہیں تو کیا خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس نے بہت وضاحت کے ساتھ کہا ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (البقرۃ: ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو اس طرح پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ کوئی مخصوص دین اختیار کرنے پر مجبور ہو۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دین کے معاملے میں زور زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اس کے اندر دونوں باتیں شامل ہیں۔ اس کے بعد کہا گیا کہ گم راہی اور ضلالت، ہدایت اور سیدھا راستہ کیا

ہے؟ یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ ہمارا موقف تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طاغوت اور خدا کی مخالف طاقتوں کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو ایک مضبوط رسی اس کے ہاتھ آجائے گی اور وہ ایسی رسی ہوگی جو اللہ تک پہنچانے والی ہوگی، جو کبھی ٹوٹے گی نہیں، لیکن اگر آدمی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ اس دلیل اور اس رسی سے محروم ہو جائے گا جو اللہ تک پہنچاتی ہے۔

موجودہ حالات میں کہا جاتا ہے کہ مسلمان دہشت گردی اور لالچ کے ذریعہ اسلام قبول کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ یہ الزامات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ جبراً اگر کوئی شخص اسلام قبول کر لے تو اسلامی قانون کے لحاظ سے وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ فقہاء نے بہت تفصیل سے اور میں نے اپنی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' میں اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ نے میرے ساتھ زبردستی کی ہے اور مجھے میرے مذہب سے پھیر دیا ہے تو اسلامی عدالت اس سے کہے گی کہ تم اپنے مذہب میں واپس جا سکتے ہو، پھر وہ اس شخص کو سزا بھی دے گی جس نے اس کے ساتھ جبر کا معاملہ کیا ہے۔ یہ بات ہماری پالیسی میں تو مختصراً کہی گئی ہے، لیکن دستور میں وضاحت کے ساتھ آئی ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کے لیے جبر کا راستہ اختیار نہیں کریں گے، بلکہ اسلامی تعلیمات کو رائے عامہ ہموار کر کے دنیا کے سامنے رکھیں گے۔

اسلام ہی دین حق ہے

اسلام دین حق ہے۔ قرآن اپنے بارے میں کہتا ہے کہ وہ حق ہے، وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ (بنی اسرائیل: ۸۱) 'کہہ دو، حق آ گیا'۔ دوسری جگہ دین ہی کو حق کہا گیا ہے۔ حق کا مطلب ہے ثابت شدہ حقیقت۔ اسلام ثابت شدہ حقیقت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اسے حق کہا جاتا ہے۔ یہ بات زیادہ وضاحت کے ساتھ آنی چاہیے اور موجودہ حالات میں اس کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

بعض مواقع پر آر ایس ایس اور اس کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ نہ کہیے کہ ہم ہی حق پر ہیں۔ اگر آپ یہ نہ کہیں تو ہمارا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ ہم کہیں گے

کہ آپ بھی حق پر ہیں اور ہم بھی حق پر ہیں۔ لیکن یہ ایک بے اصل بات ہے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے سوال کرے کہ ہندوستان میں دنیا کے بیش تر مذاہب موجود ہیں۔ یہاں ہندو مت ہے، بدھ مت ہے، جین مت ہے، سکھ مت ہے، عیسائیت ہے اور یہودیت بھی پائی جاتی ہے۔ ان تمام مذاہب میں سے آپ نے اسلام کو کیوں اختیار کیا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اور ایک ہزار سال تک اس ملک میں مسلمان حکومت کرتے رہے، اس لیے میں بھی مسلمان ہوں۔ لیکن آج کی دنیا میں یہ کوئی معقول اور مطمئن کرنے والا جواب نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ غیر عقلی جواب ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ سب مذاہب برحق ہیں، غیر منطقی بات ہے۔ شرک اور توحید ایک ہوجائیں، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ البتہ یہ معقول بات ہوگی کہ میں نے اسلام کو برحق پایا، اس لیے میں نے اسے اختیار کیا ہے، اسی کو میں صحیح سمجھتا ہوں، علمی دنیا میں اسے چیلنج کرنا آسان نہیں ہے۔ میں اسلام کو حق سمجھتا ہوں لیکن اس کے ساتھ دوسرے مذاہب کے تعلق سے میں غلط جذبات کا اظہار نہیں کرتا اور برے الفاظ میں ان پر تنقید نہیں کرتا۔ لیکن یہ غیر معقول بات ہے کہ آپ کہیں کہ دوسرا بھی حق پر ہے اور ہم بھی حق پر ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ملک میں بہت سے مذاہب کے ماننے والے لوگ ہیں تو سب کو مل کر رہنا ہوگا۔ ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور کوئی ایسا رویہ نہیں اختیار کرتے جس سے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان عداوت اور دشمنی پیدا ہو۔ جہاں کہیں موقع ہو، اس بات کی وضاحت ہماری طرف سے ضرور ہونی چاہیے کہ اسلام کو ہی ہم حق سمجھتے ہیں، لیکن اس کے لیے زور زبردستی کا راستہ اختیار نہیں کرتے۔ اس لیے نہیں کہ یہ ہماری پالیسی ہے، بلکہ اس لیے کہ جس قرآن پر ہمارا ایمان ہے اس کی بنیادی تعلیم ہی زور زبردستی کے خلاف ہے۔ قرآن نے صاف صاف کہا ہے:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔ (الدھر: ۳)

"ہم نے انسان کو راستہ بتادیا ہے، چاہے تو وہ شکر گزار بندہ بن کر زندگی گزارے اور چاہے تو ناشکری کا راستہ اختیار کرے۔"